شبیر کا ماتم چاند میں ہے
شبیر کا ماتم تاروں میں

آیات ماتم

سخن نجم آفندی

نظامی پریس لکھنؤ

حسینؑ اور ہندوستان

نثر میں شاعر اہلبیت کا شاہکار سیزدہ صد سالہ یادگار کے خیر مقدم میں
تیسری مرتبہ ½ ۱ اجزء کے نہایت مفید اور ضروری اضافہ کے ساتھ شایع ہوا ہے
جس میں برادران وطن (ہندوؤں) کو اختصار کے ساتھ واقعۂ کربلا سنا کر یہ بتایا
گیا ہے کہ حسینؑ کا ہندوستان سے کیا واسطہ ہے، حسینؑ کا ہندوؤں پر کیا
حق ہے اور ہندوؤں کو حسینؑ کا سوگ منانے میں مسلمانوں کا ساتھ کیوں
دینا چاہیے۔

حسب استطاعت حسینؑ اور ہندوستان کی یکمشت جلدیں خرید کر
برادرانِ وطن میں تقسیم کر کے حسینی مشن کی اہم ترین خدمت انجام دیجئے
ہدیہ فی جلد دو آنہ (۲ر) ...... علاوہ محصول ڈاک

مصطفے علی ہاشمی
ناظم مکتبۂ ناصری
گولہ گنج، لکھنؤ

آیاتِ ماتم

(واقعاتِ کربلا شاعرِ اہلبیت کے الفاظ اور نوحہ کی زبان میں)

نجم آفندی نجمی

۱۳۶۱ھ

(بار اول) قیمت ۸/

خدا چاہے تو وقت آتا ہے سُننے کا سمجھنے کا
میں کہتا ہوں مگر سنتی نہیں دُنیا ابھی میری

نجم آفندی

مدینہ کا سلام

سفر ہے کس کا کہ طوبا سلام کہتا ہے
فرازِ عرشِ معلّا سلام کہتا ہے
یہ کون جاتا ہے کعبا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

رہی تو کیا وہ قرینے کی زندگی نہ رہی
وہ پُر سکون سفینے کی زندگی نہ رہی
جو آج تک تھی مدینے کی زندگی نہ رہی
غرورِ یثرب و بطحا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

حسینؑ! یہ کرمِ کارساز کیا کہنا
درودِ عشق و سلامِ نیاز کیا کہنا
یہ حُسن کی نگہِ امتیاز کیا کہنا
کسی کا جلوۂ یکتا سلام کہتا ہے

مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

کدھر سے درد کے مالک ہوائے درد آئی
یہ کس کی آہ تڑپ کر فضا میں لہرائی
چلے ہو لے کے کدھر نازشِ مسیحائی
کوئی مریض تمہارا سلام کہتا ہے

مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

یہ جانتے ہیں بنے ہو رہِ رضا کے لیے
بہت دنوں سے ہو بےچین کربلا کے لیے
حسینؑ مُڑ کے ذرا دیکھ لو خدا کے لیے
رواقِ مشہدِ زہراؑ سلام کہتا ہے

مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

نہ پوچھیے جو فضا تھی درود بہیے سے
عجب نہیں جو تزلزل زمیں کو ہو غم سے
رہا جو مدفنِ مادر یہ آپ کے دم سے
بقیع کا وہ اُجالا سلام کہتا ہے

مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

سفر میں دشت کوئی بھا گیا تو کیا ہوگا
جو دل فرات پہ لہرا گیا تو کیا ہوگا
کہیں عراق پسند آ گیا تو کیا ہوگا
حجاز سیّدِ والا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

ستم شعاروں کی سازش بروئے کار نہ ہو
کسی سے جنگ محبّت کے تاجدار نہ ہو
لحد میں روح پیمبر کی بیقرار نہ ہو
سکون گنبدِ خضرا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

جبین پاک سُنا ہے کہ خونچکاں ہوگی
کہاں نماز نہ تیغ جانستاں ہوگی
زمیں وہ آپ کے سجدوں سے آسماں ہوگی
نبیؐ علیؑ کا مصلّا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

نظر کے ہیں یہ اشارے زباں نہیں کھلتی
کسی کی درد کے مارے زباں نہیں کھلتی
نبی کے راج دُلارے زباں نہیں کھلتی
دلوں کا درد مسیحا سلام کہتا ہے
مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

جو اپنی تیغ کے جوہر دکھا نہیں سکتا
بُری گھڑی ہے مگر کام آ نہیں سکتا
وہ کم نصیب جو ہمراہ جا نہیں سکتا
وہ لُطفِ خاص کا پیاسا سلام کہتا ہے

مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

سلام راہِ رضا کا ازل سے تا بہ ابد
سلام روحِ ولا کا ازل سے تا بہ ابد
سلام اہلِ وفا کا ازل سے تا بہ ابد
ہر ایک چاہنے والا سلام کہتا ہے

مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

سلام ہم سے غریبوں کا مستمندوں کا
ہر ایک قوم کے ملت کے حق پسندوں کا
سلام سارے زمانے کے دردمندوں کا
حسینؑ سارا زمانا سلام کہتا ہے

مسافروں کو مدینا سلام کہتا ہے

ایلچی

اے مسلمِ غریب صداقت کے ایلچی — دینِ مبینِ حق کی حکومت کے ایلچی
پیغمبرِ خدا کی امانت کے ایلچی — ایثار کے، وفا کے، شرافت کے ایلچی

لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

تیری ادائے مرگ کی دُنیا شہید ہے — تاریخ ہے گواہ کہ پیاسا شہید ہے
رہے جیسے حسینؑ وہ تنہا شہید ہے — کوفہ میں کربلا کا تو پہلا شہید ہے

لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

نکلا وطن سے بارِ سفارت لیے ہوئے فرمانِ بارگاہِ امامت لیے ہوئے
آقا کے اعتماد کی دولت لیے ہوئے شبیرؑ کا پیامِ محبت لیے ہوئے

لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

دیکھا کوئی سفیر نہ اس آن بان کا بچوں کی فکر تھی نہ خیال اپنی جان کا
ہر لب پہ تذکرہ ہے وصیت کی شان کا غم تھا دمِ اجل تو علیؑ کے نشان کا

لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

مسلم تری وفا کے مسلماں گواہ ہیں تاریخ کے حروفِ درخشاں گواہ ہیں
شمس و قمر کے دیدۂ حیراں گواہ ہیں غربت پہ تیری کوفہ کی گلیاں گواہ ہیں

لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

تنہا لڑا ہزار سے اللہ رے حوصلا وہ دورِ بیکسی کا شجاعت کا ولولا
ٹھہرا نہ سامنے کوئی جانباز من چلا کوفہ کی تھی گلی ترا میدانِ کربلا

لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

تنہا پہ فوج بھیجی تھی ابن زیاد نے — طبقے الٹ دیئے ترے جوشِ جہاد نے
پیہم شکست کھائی گروہِ فساد نے — مارا تجھے فریب سے اہلِ عناد نے

لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

کیا کیا تھیں حسرتیں دلِ اُمیدوار میں — پہونچا نہ پھر حضورِ شہِ ذی وقار میں
آیا نہ فرق پر ترے قول و قرار میں — کوفہ کے در پہ لاش رہی انتظار میں

لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

بچے بھی تیرے بعد بہت دن نہیں جیے — کوفہ سے دو عدم کو گئے حسرتیں لیے
جن بیکسوں کی موت پہ دشمن بھی رو دیئے — دو کربلا میں سوتے ہیں جام اجل پیے

لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

تو نے خدا کی راہ میں کیا کیا نہ غم سہا — روحِ وفا نے چونک کے صلِ علیٰ کہا
تیرے جگر کا خون اس افراط سے بہا — نسلِ عقیل میں کوئی باقی نہیں رہا

لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے ایلچی

عاشور کی شب

دن ختم تھا آئی ہوئی عاشور کی شب تھی
کس غم کی ستائی ہوئی عاشور کی شب تھی

اشکوں میں نہائی ہوئی عاشور کی شب تھی
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

بگڑی ہوئی تھی عالم اسباب کی صورت
اک دو دتھا گھیرے ہوئے گرداب کی صورت

افلاک تھے سہمی ہوئی مہتاب کی صورت
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

خورشید کو شکل اپنی دکھانے میں تامّل
فطرت کو تھا دنیا کے جگانے میں تامّل

صبح شب عاشور کو آنے میں تامّل
آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

شبیر کے انصار میں تھی یادِ الٰہی — سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ تشہد کی گواہی
رکھے ہوئے تھے خاک پہ ماتھوں کی سیاہی — آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

اخلاص بڑھاتا ہوا ہر سانس کا پھیرا — پُرنور جبینوں سے جھلکتا تھا سویرا
سمٹا ہوا تھا شام کے لشکر کا اندھیرا — آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

محسوب تھے کچھ تنگ نظر خوش نظروں میں — کم ظرف سموئے ہوئے عالی گہروں میں
کھوٹے بھی کئی ڈھل گئے تھے آ کے کھروں میں — آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

اے اصلِ علا ہمتِ مردانۂ شبیرؑ — حیران تھے افلاک و زمیں صورتِ تصویر
دربار میں گونجی ہوئی شبیرؑ کی تقریر — آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

مقصد تھا کہ میرے لیے زحمت نہ اُٹھائے — جانا ہو جسے شب کے اندھیرے میں وہ جائے
بیٹھا تھا رسالت کا قمر شمع بجھائے — آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

کمزور یہی ڈھونڈتے رہتے ہیں سہارے — تھرّا رہا چاند لرزتے رہے تارے
جانا تھا جنھیں منہ کو چھپا کر وہ سدھارے — آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

وہ رہ گئے مولا پہ جو انصار تھے صدقے — کتنے درِ دولت کے نمکخوار تھے صدقے
خیمہ میں اُدھر صبح سے تیار تھے صدقے — آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

قربانیوں کی فکر میں تھے شہ کے یگانے — دِل سخت تھا کیا ثانیِ زہراؑ کو خدا نے
بچوں کو سُناتی تھیں شجاعت کے فسانے — آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

قاسم کو یہ حسرت تھی کہ آقا پہ ہوں قرباں — سہرا تھا نہ بدھی تھی نہ تھا بیاہ کا ارماں
چہرہ تھا یہاں شوقِ شجاعت میں درخشاں — آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

تیار تھے مرنے کو جگر بند حرا اوّل — تھا شغل علمدار کا تلوار کی صیقل
اس شیر کے نعروں سے تھا گونجا ہوا جنگل — آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

دلدوز عجب خیمۂ لیلیٰ کا تھا منظر — سویا ہوا تھا فرش پہ ہمشکلِ پیمبرؐ
مُنہ دیکھتی تھی شمع جلائے ہوئے مادر — آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

ایک ایک کا تھا گود کے پالوں سے اشارہ — رہنا کہیں پیچھے نہ دمِ جنگ خدارا
اصغر کی بھی قسمت کا چمکتا تھا ستارا — آفاق پہ چھائی ہوئی عاشور کی شب تھی

علم اور علمدار

کیا قیامت ہے یہ کیا منظر دکھاتا ہے علم
لے گیا تھا کون واپس کون لاتا ہے علم

دستِ اکبر میں ہے پھر بھی تھرتھراتا ہے علم
خون میں ڈوبا ہوا دریا سے آتا ہے علم

دامنِ ساحل سے خونی ابر اُٹھا ہے دیکھنا
خون دریا سے برستا آ رہا ہے دیکھنا

وسوسہ ہے وہم ہے آخر یہ کیا ہے دیکھنا
خون میں ڈوبا ہوا دریا سے آتا۔ ہے علم

خون آنکھیں ہو گئیں یا ساری دُنیا خون ہے
یا الٰہی سبز پرچم پر یہ کیسا خون ہے

اے لبِ ساحل بتا کیا موجِ دریا خون ہے
خون میں ڈوبا ہوا دریا سے آتا ہے علم

سبز پرچم سے بہار جاوداں لپٹی ہوئی
مشک خالی تشنگی کی نوحہ خواں لپٹی ہوئی

بیر گھیرہ ہو بیت کچھ مایوسیاں لپٹی ہوئی
خون میں ڈوبا ہوا دریا سے آتا ہے علم

آس ہیں ہیں صبح سے بچے ستم کیا ہو گیا
پھر نہ آیا لوٹ کر خیمہ سے باہر جو گیا

کیا علمبردار ساحل کی ہوا میں سو گیا
خون میں ڈوبا ہوا دریا سے آتا ہے علم

جو اسی دن کے لیے اب تک جیا تھا کیا ہوا
گھاٹ پر ٹھہراؤ جس نے کر دیا تھا کیا ہوا

جس نے دریا پر ابھی قبضہ کیا تھا کیا ہوا
خون میں ڈوبا ہوا دریا سے آتا ہے علم

لشکر دشمن کو جس نے روند ڈالا ہے کہاں
ہاتھ کٹوا کر علم جس نے سنبھالا ہے کہاں

مشک دانتوں میں دبا کر آنیوالا ہے کہاں
خون میں ڈوبا ہوا دریا سے آتا ہے علم

خیمۂ اقدس میں بچے بے سہارے رہ گئے
ڈوب کر سب کی امیدوں کے ستارے رہ گئے

تم علمدار جری دریا کنارے رہ گئے
خون میں ڈوبا ہوا دریا سے آتا ہے علم

اب کوئی اُمید کشتی کھے رہی ہے یا نہیں
قلب کو تسکین ترائی دے رہی ہے یا نہیں

علقمہ کی نہر لہریں لے رہی ہے یا نہیں
خون میں ڈوبا ہوا دریا سے آتا ہے علم

دیر سے پیاری سکینہ کو گلہ پانی کا ہے — منتظر ہر طفل اے جانِ وفا پانی کا ہے
کیا کہینگے جنکے دل کو آسرا پانی کا ہے — خون میں ڈوبا ہوا دریا سے آتا ہے علم

بیکسوں کو خون بھری صورت دکھائیں یا نہیں — درد و غم کا اور اک طوفاں اٹھائیں یا نہیں
یہ تو کہدے تجھے علم خیمہ میں جائیں یا نہیں — خون میں ڈوبا ہوا دریا سے آتا ہے علم

مرثیہ ہمت فزا ہے اس علم کے حال کا — رہ گیا ہے یہ نشاں اسلام کے جلال کا
یہ علم ہے اے مسلماں مصطفیٰ کی آلؑ کا — خون میں ڈوبا ہوا دریا سے آتا ہے علم

یہ ملا ہے تری ہمت کی غلامی کے لیے — فرش کر آنکھیں صداقت کے سپاہی کیلیے
حریت ہوتی ہے ختم اسکی سلامی کیلیے — خون میں ڈوبا ہوا دریا سے آتا ہے علم

یہ ہی جانبازوں کا پرچم ہے جواں تکریم کر — دست بدل فرش سے مجلس کے اٹھ تعظیم کر
اے نگاہِ مردِ حق آشنا تسلیم کر — خون میں ڈوبا ہوا دریا سے آتا ہے علم

کڑیل جوان

کیا سخت ماجرا ہے کہانی حسینؑ کی
بیوقت کیا مٹی ہے نشانی حسینؑ کی
اکبر کا تھا شباب جوانی حسینؑ کی
اکبر جواں تھے جی سے گزرنیکے دن نہ تھے
اے دشت کربلا ابھی مرنیکے دن نہ تھے

سردارِ انبیا کی شباہت جوان تھی
حق کا غرورِ دین کی غیرت جوان تھی
ایسی جوانیوں سے شریعت جوان تھی
اکبر جواں تھے جی سے گزرنیکے دن نہ تھے
اے دشت کربلا ابھی مرنیکے دن نہ تھے

یہ دین سے لگاؤ یہ دُنیا سے بے دلی   برچھی وغا میں آ کے کلیجہ سے جب ملی
کیا آن بان تھی کہ پلک بھی نہیں ہلی   اکبر جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے

اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

کیا تین دن کی پیاس میں تیور دکھا گئے   دنیا کے نوجوانوں کی ہمت بڑھا گئے
پھولوں میں تُل رہے تھے سنانوں میں آ گئے   اکبر جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے

اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

دیکھی یہ موت عالمِ امکاں نے کس طرح   یہ داغ اُٹھا لیا شہِ ذیشاں نے کس طرح
دُولھا بنا کے بھیجدیا ماں نے کس طرح   اکبر جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے

اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

رُخصت کے وقت بانوئے شبیر چپ رہیں   بہنیں غریب صورتِ تصویر چپ رہیں
سب ایک سمت زینبِ دلگیر چپ رہیں   اکبر جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے

اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے

مانا کہ صبر و شکر کا دل میں وفور تھا
بچّہ کا غم نہ ہو یہ محبت سے دُور تھا
مادر کو انکے بیاہ کا ارماں ضرور تھا
اکبر جواں تھے جی سے گزرنیکے دن نہ تھے

اے دشت کربلا ابھی مرنیکے دن نہ تھے

کیوں زندگی کے لب پہ شکایت نہ آگئی
ہنگام نزع موت کو غیرت نہ آگئی
موت آئی تھی جب انکو قیامت نہ آگئی
اکبر جواں تھے جی سے گزرنیکے دن نہ تھے

اے دشتِ کربلا ابھی مرنیکے دن نہ تھے

یہ شیر تھا امام جوانانِ قوم کا
کیسا کیا ہے نام جوانانِ قوم کا
کہدے ذرا اسلام جوانانِ قوم کا
اکبر جواں تھے جی سے گزرنیکے دن نہ تھے

اے دشتِ کربلا ابھی مرنیکے دن نہ تھے

ننھا سپاہی

ربت کا بیکسی کا بادل سا چھا رہا ہے   سب کٹ گئے مجاہد خیموں میں کیا رہا ہے

ننھا سا اک سپاہی گودی میں آ رہا ہے

ودداریوں سے لب پر آہیں ٹھہر گئی ہیں   رک رک گئی ہیں سانسیں نبضیں ٹھہر گئی ہیں

ٹھہرا ہوا وہ جھولا کیا دل ہلا رہا ہے

یسی لٹی ہے بستی کیسی مٹی ہیں جانیں   کیا شکر کر رہی ہیں سوکھی ہوئی زبانیں

کیا صبر بڑھ رہا ہے کیا ضبط چھا رہا ہے

ستّر کی موت دیکھو اور دوپہر کو دیکھو اصغر کے سن کو دیکھو اُس کے جگر کو دیکھو
جو دشتِ کربلا میں دولت لٹا رہا ہے

ایسے کہیں سپاہی دیکھے نہیں انیلے ماں کی طرف سے کوئی رخ کی بلائیں لیلے
پہلے پہل مجاہد میداں کو جا رہا ہے

ماتھے پہ ہے پسینہ زلفیں بکھر رہی ہیں سورج کی گرم کرنیں صدقے اُتر رہی ہیں
اللہ گل سا چہرہ کیا تمتما رہا ہے

نازک طبیعتوں کو بس ہے ذرا سی آہٹ بیچین پھر نہ کر دے تیروں کی سنسناہٹ
آغوش میں پدر کی تسکین پا رہا ہے

یہ زندگی کی پہلی کروٹ ہے راس آئے شبیر لا رہے ہیں گھر سے گلے لگائے
اور موت کا فرشتہ آنکھیں بچھا رہا ہے

ننھا سا یہ مسافر دیکھو رہِ رضا کا تاریخ اسی کو فاتح لکھے گی کربلا کا
جھولے کو چھوڑ کر جو مقتل بسا رہا ہے

سارے جہاں سے کہدو کون و مکاں سے کہدو　　یہ روح کارواں ہے، ہر کارواں سے کہدو

پیاسا ہی تین دن کا اور تیر کھا رہا ہے

یہ تشنگی، یہ ہچکیاں، یہ سن، یہ بے زبانی　　لائیگی رنگ اک دن اسلام کی کہانی

خونِ گلو سے اپنے رنگیں بنا رہا ہے

سجاد کی شباہت، اکبر کی شان ہوتا　　اے موت کاش ایسا بچہ جوان ہوتا

دو دن کی زندگی میں تیور دکھا رہا ہے

مجلس میں ہوش کس کو اے نجم جان و تن کا　　اترا ہوا وہ چہرہ ڈھلکا ہوا وہ منکا

اب تک دلوں پہ غم کی بجلی گرا رہا ہے

درشن کا اُجالا

درشن کا اُجالا لیکے چلے آنکھوں میں اندھیرا چھوڑ گئے
اکبر کو کہاں کی جلدی تھی بابا کو اکیلا چھوڑ گئے

تیرہ سو برس سے چرچے ہیں ان جیوٹ مرنیوالوں کے
تڑپے نہیں خود خنجر کے تلے دُنیا کو تڑپتا چھوڑ گئے

صغر کو تھی رن کی دُھن میں کہاں ماتا کے دھڑکتے دل کی خبر
ننھے سے سپاہی خیمہ میں ٹھہرا ہوا جھولا چھوڑ گئے

تلوار وہ کی ہے پیاسوں نے دریا کو لہو سے پاٹ دیا
پیاسے تو گئے دریا سے مگر اک خون کا دریا چھوڑ گئے

عباس نے دریا چھین کے بھی بچوں ہی کی خاطر مشک بھری
پیاسے تھے مگر پیاسے ہی پھرے دریا کو چھلکتا چھوڑ گئے

سب اپنی کمائی لیکے گئے کس ڈھب کے یہ جانیوالے تھے
کچھ کو کھ جلی رانڈوں کیلیے اک موت کی آشا چھوڑ گئے

قیدی تو بہت سے دیکھے ہیں پوچھے کوئی اُنکے جی سے مگر
جو گود کے پالے بچوں کو میدان میں سوتا چھوڑ گئے

سُنتا ہے جو دھرمی رو‌تا ہے ہر دیس میں ماتم ہوتا ہے
کچھ کام وہ ایسا کر کے گئے کچھ نام وہ ایسا چھوڑ گئے

سر کاٹ کے کوفہ والوں نے یہ اور نیا اپرادھ کیا
میدان کی جلتی ریتی پر شبیر کا لاشا چھوڑ گئے

کربل کی انوکھی دھرتی سے نردوش مسافر شریب گیے
سانچی تھی جو مہما لیکے اُٹھے جھوٹی تھی جو مایا چھوڑ گئے
اب سوگ ہے رہتی دنیا تک سنسار نے ایسا جوگ لیا
جیون میں رچے ہردے میں بسے ٹھکرا کے جو دنیا چھوڑ گئے
سنسار کی مایا کوئی نہیں کچھ دوہے ہیں کچھ نوحے ہیں
نجمیؔ یہی مایا لائے تھے نجمیؔ یہی مایا چھوڑ گئے

اللہ والے

وہ جنگل میں یثرب کی گودی کے پالے
قیامت ہے تیغ جفا کے حوالے

وہ عون و محمدؐ، وہ اکبرؑ، وہ قاسمؑ
نگاہیں اجل کی نگاہوں میں ڈالے

وہ مضبوط ہاتھوں میں گھوڑوں کی باگیں
وہ بھرپور شانوں پہ زلفیں سنبھالے

وہ جینے کے دن میں وہ مرنے کی جلدی
مسافر انوکھے ارادے نرالے

وہ بچوں کے تیور وہ ماؤں کی ہمّت
وہ گودوں کی دولت خدا کے حوالے

وہ پیاسوں کی اُمید تیروں کی زد پر
وہ عبّاسؑ مشک سکینہؑ سنبھالے

وہ مسلخ وفا کا محبت کا مقتل
جوانوں میں شامل وہ بوڑھے وہ بالے

وہ قرآں کی تبلیغ پیاسی رگوں سے
لبوں پر تلاوت تو بانوں پہ چھالے

وہ تیغوں پہ سجدے وہ سجدوں پہ تیغیں
وہ خنجر گلوں پر وہ سینوں پہ بھالے

وہ زخموں کی کثرت وہ بارش لہو کی
وہ نوجوں کے بادل میں دھنس جانے والے

عزیز اُن کے قلبوں کو حق کی حمایت
حقیر اُن کی نظروں میں شامی رسالے

وہ تیغوں سے ٹکڑے وہ تیروں سے چھلنی
وہ بندوں کے مولا وہ اللہ والے

کلیجوں میں نیزے لبوں پر تبسم
اذیت کو راحت کے سانچے میں ڈھالے

رضائے خدا پر جو سب کچھ لٹا دیں
رضائے خدا جن کو اپنا بنا لے

اسی دھن میں نالے کیے جاؤ نجمیؔ
یہ نوحے ہیں دنیا ہلا دینے والے

صبر و رضا

ظلم کی دنیا سے بیعت کے پیام آتے رہے — مالکِ صبر و رضا شبیر ٹھکراتے رہے

وہ جوانانِ حسینی کے ارادوں کا شباب — جب تلک آئے اجل تیور پہ بل آتے رہے

صبح سے اتنے وفا کیشوں نے کٹوائے گلے — شام تک اہلِ ستم کے حوصلے جاتے رہے

ہل گیا دشتِ بلا قدموں نے جنبش بھی کی — تین دن کی پیاس میں تیرِ ستم کھاتے رہے

جن کو چلنا بھی نہ آتا تھا وہ آئے گود میں — اپنے پیروں آنیوالے عصر تک آتے رہے

ظلم کی بھی انتہا تھی صبر کی بھی انتہا — کٹ گئیں سوکھی رگیں کونین تھراتے رہے

مسکرا کر ایڑیاں رگڑیں لہو کے فرش پر — موت کی آغوش میں جرار اٹھلاتے رہے

پاس تھا کتنا شہید کربلا کو قوم کا — زیر خنجر بھی دعا سے یاد فرماتے رہے

پھول سے بچوں نے کیونکر قید کی ایذا سہی — کس طرح اہل حرم بچوں کو بہلاتے رہے

کربلا کے ظلم کی تفسیر ننھے کمسن اسیر — رات بھر دیکھنے والوں کو تڑپاتے رہے

خون میں ڈوبے ہوئے سر نینوا سے شام تک — انقلاب عام کے احکام پہونچاتے رہے

حشر میں انجام کیا ہونا ہے نجمی دیکھیے

پوچھتے ہیں وہ بھی شاعر حسن کے کہلاتے رہے

کارِ نمایاں

خدا کی راہ میں کارِ نمایاں ایسے ہوتے ہیں
تہِ خنجر کیے سجدے مسلماں ایسے ہوتے ہیں

وہ پیاری پیاری شکلیں دیکھ کر آلِ پیمبر کی
ستاروں نے کہا یہ چاند انساں ایسے ہوتے ہیں

حسینی قافلہ اے کربلا پیاسا گزرتا ہے
عطش پر صبر کر لیتے ہیں مہماں ایسے ہوتے ہیں

جوانی رن سے کہتی آ رہی ہے لاشِ قاسم پر
کہ اسلامی جوانمردوں کے ارماں ایسے ہوتے ہیں

مسافر کا تن بے سر ہے اور شب کا اندھیرا ہے
کسی کی لاش پر گیسو پریشاں ایسے ہوتے ہیں

قدم پر شہ کے دم نکلا حبیب ابنِ مظاہر کا
محبت کے وفا کے عہد و پیماں ایسے ہوتے ہیں

ہزاروں سے ترائی چھین لی جب ایک پیاسے نے
لب ساحل پکارے مرد میداں ایسے ہوتے ہیں

یہ مرنا تجھ کو ابن عوسجہ کے لال زیبا تھا
وفاداروں کے تخت دل پہ ریحاں ایسے ہوتے ہیں

نوائے شکر سجاد حزیں اور شام کی منزل
سکون و صبر کے مہر درخشاں ایسے ہوتے ہیں

سلاسل اور اک بیمار قیدی ہی سہی لیکن
کوئی دیکھے تو قیدی پا بجولاں ایسے ہوتے ہیں

خراج اشک حسرت لے لیا دربار قاتل سے
مقرر بزم دشمن میں دُر افشاں ایسے ہوتے ہیں

خدا ہی جانے دل سے کیا کہا ہوگا نگاہوں نے
سکینہ کو خبر کیا تھی کہ زنداں ایسے ہوتے ہیں

سُنا کر نجمؔ قصّہ کربلا والے شہیدوں کا
مسلمانوں کو سمجھا دو مسلماں ایسے ہوتے ہیں

جگت گرو

اب حسینؑ اکیلے ہیں لُٹ چکی جو مایا تھی
کربلا کی دھرتی پر تھک کے سو گئے ساتھی

تیر ایسے آتے تھے جیسے مینھ برستا ہو
تین دن کے پیاسوں پر کیا لہو کی برکھا تھی

رُدم جھُوم دُنیا ہے آج اُن کی سیوا میں
کیا انوپ سیوک تھے، کیا انوپ سیوا تھی

سُورما جو ریتی پر، سر کٹائے سُوتے تھے
اُن کے پاک چرنوں میں سر جھکائے دُنیا تھی

دُکھ بھری کہانی ہے چھ مہینے والے کی
لاڈلے تھے ماں کے، میں آسرے میں ماتا تھی
خاک پر نبی زادہ گھر لٹائے بیٹھا ہے
سب اُسی کو دے ڈالی جس دھنی کی مایا تھی
اُس کی تیغ کا چمچم رن کی جگمگاہٹ تھا
گرم ریت پر سجدے بندگی کی سوبھا تھی
اُس کے دشمنوں کو بھی سُکھ ملا نہ دُکھ دے کر
آنکھ میں نہوں آنسو پر دلوں میں دُبدھا تھی
فاطمہ کا یہ پیارا ہے جگت گرو نجمیؔ
آج سب کو پیارا ہے جس پہ کل یہ بپتا تھی

اے حسینؑ

صبر اور تلوار کی حامی ہے دُنیا اے حسینؑ
اب ترا طرزِ عمل ہے کار فرما اے حسینؑ

اے تعالی اللہ تیور کی جلالت بڑھ گئی
رہ گیا جس وقت تو میداں میں تنہا اے حسینؑ

تین دن کی پیاس نے مارا رتے انصار کو
لاکھ پہ بھاری تھا اک اک مرنے والا اے حسینؑ

منتظر تھے اک اشارے کے زمین و آسماں
کیا ترے قدموں میں آ جاتا نہ دریا اے حسینؑ

سارے آلام و مصائب پست ہو کر رہ گئے
مستقل تھا کس قدر تیرا ارادا اے حسینؑ

عالم انسانیت کو آخری تنبیہ تھی
استغاثہ جس کو سمجھا تھا زمانہ اے حسینؑ

آخری جیسے گرج ہوتی ہے زخمی شیر کی
آج تک ہے جس کے سنّاٹے میں دُنیا اے حسینؑ

زخم تن پر، داغ دِل پر، نعشِ اصغر گود میں
کس قیامت کا ہے یہ تیرا سراپا اے حسینؑ

تیغ گردن پر، جگر میں آگ، دریا سامنے
یوں کوئی مارا گیا ہوگا نہ پیاسا اے حسینؑ

خونِ دل، خاکِ تمنّا، ریگِ گرمِ کربلا
یہ زمیں اور یہ جبینِ سجدہ فرما اے حسینؑ

اب ہیں اکبر کی بلائیں لینے والے سینکڑوں
آج شق ہوتا ہے سرِ ماں کا کلیجا اے حسینؑ

تیرے اصغر کے پرستاروں کی اب گنتی نہیں
کتنی گودوں میں ہے وہ ننھا سا بچہ اے حسینؑ

ضبط پر بالی سکینہ کے تڑپ جاتے ہیں دل
کیا ذرا سی جان کو سمجھا دیا تھا اے حسینؑ

خون میں ڈوبے ہوئے مکھڑے پہ صدقے کائنات
اے نبیؐ کے لاڈلے، اے ماہِ زہراؑ، اے حسینؑ

ہمہمہ مجلس کا تیری کارواں در کارواں
تیرے ماتم کی دھمک صحرا بہ صحرا اے حسینؑ

اے محبت کے ستارے دل او لٹنے ہی کو ہے
خون رونے ہی کو ہے چشم تماشائے حسینؑ

غم کے دل سے نہ آئیں لب پہ نالے یہ اگر
کیا عجب ہے منہ کو آجائے کلیجا اے حسینؑ

ست جُگ کا ستارا

پربھو نام کے گلا کٹا یو گھر بھر دیو لٹائے
ست کی رکھشا اس کر ہی کلجگ سیں نوائے

تُسا ایک نہ نکسا کوؤ گُجرے بہت حسین
ایسی لیلا رچ گئے کہ تم بن جگ بے چین

دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے تارے کیا کہنا

جگ کو دکھ میں پائے کے چھوڑا اپنا گاؤں
بن میں ڈیرے ڈال دیے دیکھی دھوپ نہ چھاؤں

کیسوں کے جاتری ساتھ لیو پریوار
سارے گھر کی لاڈلی چھوڑ گیو بیمار

دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے تارے کیا کہنا

کیا کیا بالک گود کے کیا کیا تنت جوان
داتا ہر کے نام پر جو بے یا بلدان
جھولے کا اک جھولن ہارا ایک اٹھارہ سال
اکبر جیسا لاڈلا، اصغر جیسا لال
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے تارے کیا کہنا

ایسا کس سردار کو ملا علم بردار
ہاتھ کٹے جب شانوں سے تب چھوٹی تلوار
ہاتھن آگے بڑھ گیا دانتن مشک دبائے
جیسے شیر شکار کو منہ میں دابے جائے
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے تارے کیا کہنا

سگری ہاڑی دھوپ میں سوکھ گئی بن نیر
کھیتی پیاسی نیر کی تس پر برسے تیر
ہنس ہنس ایسا بن کیا پھوٹے ڈیا بات
سارا باگ لٹائے کے کھیت رہے پھر آپ
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے تارے کیا کہنا

تم بھوکے پیاسے خیمہ سے جب نکسے شبیر سمان
بڑے بڑے بلونت ساتھی چھوڑ گئے میدان
گھائل دیکھی گھام عرب کی تین دنا کی پیاس
کربل بن کے لڑنیوالے کس بدھ رہے حواس
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے تارے کیا کہنا

تِس تِس مکھڑا کِھلت رہا جس جس باڑھی دُھوپ　　پیاس بُڑھی سنتوش بڑھا دونا چمکا روپ
من میں ایسی شانتی کوئی کہاں سے لائے　　لاکھن کشٹ اٹھائے کے ایک نہ کسی ہائے
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

پاپی جگ کے پاپ کا کوئی نہ سوجھا توڑ　　کیسے کیسے دھرم پجاری بیٹھ گئے جی چھوڑ
آپن لہو بہائے کے تم نے بدلا رنگ　　نام گیا آکاش تک دھرتی رہ گئی دنگ
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

اس تھا حال گر یہ کل جیسے جیتی لاش　　دھن دولت کے زور نے دھرم کیا تھا ناش
ایسی کرنی کر گئے نِشچے بھیا سماج　　جھوٹا کھیل بگاڑ کے رکھ لی ست کی لاج
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

بستی بستی جنگل جنگل آج تمہارے میت　　اُبھری شکتی پریم کی بھئی ہار کی جیت
ہندو مسلم راجا، پرجا، جن دیکھو گُن گائے　　من کو ہیرا پائے کے سبھی لیو اپنائے
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

آنسو نکسے نین سے من سے نکسی کھوٹ
سائیں تمہرے نام کی پڑی کراری چوٹ

بجلی چمکی پریم کی جیو بھیا اوجیار
بادل گرجے ماتمی ہے چیخ پڑا اسنسار

دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے تارے کیا کہنا

سوامی کتنے ورتے لگا پریمی بان
اُٹھی لہر فرات سے پہونچی ہندوستان

بھومی رام کرشن کی کربل کا سندیس
آنسو تمہرے سوگ کے اور گنگا جمنی دیس

دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے تارے کیا کہنا

سب ہی کشٹ اُٹھائے کے گئے علی کے لال
بھارت سیوک بھوک کی آج کریں ہڑتال

ان سے جب اَن بن بھئی من سے نکسے بین
تجمی ست کی ٹیک پر پیاسے لڑے حسینؑ

دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے تارے کیا کہنا

بندۂ بے نیاز

زمیں کو زیرِ قدم آسماں بنائے ہوئے   ہزار نہ صد و پنجاہ زخم کھائے ہوئے
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

شجاعِ عصر کو زخمی سمجھ کے گھیرا ہے   خدا کی شان ہے سورج تلے اندھیرا ہے
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

اُٹھا کے آنکھ جو دیکھیں تو دل دہل جائیں   زمیں کا ذکر ہی کیا آسماں بھی ٹل جائیں
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

نگاہ دیکھ کے سکتہ میں رہ گئی گیتی   وہ رعب ہے کہ ہوا سانس بھی نہیں لیتی
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

خموش ہے لبِ ساحل زبانِ موج خموش
زہے جلال امامت عدو کی فوج خموش

حسین خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

حریف تابِ نظر کوئی لا نہیں سکتا
چراغ مہر نگاہیں ملا نہیں سکتا

حسین خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

ملک حضور میں ہیں دستِ التجا باندھے
سرِ نیاز جھکائے ہوئے پرا باندھے

حسین خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

پئے سلام شریکِ رضا حاضر
نگاہ روبرو ارواح انبیاء حاضر

حسین خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

مدد کے واسطے حاضر ہیں آسمان و زمیں
حسین ہیں کہ اُدھر مڑ کے دیکھتے بھی نہیں

حسین خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

بغیر اذن ہی ناصر مدد کو حاضر ہے
تمام فوج عناصر مدد کو حاضر ہے

حسین خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

عراق سطوت شاہنشہ حجازی دیکھ　　خدا کی راہ میں بندے کی بے نیازی دیکھ
حسین خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

نجانے راز میں کیا کیا پیام آئے ہیں　　فراز عرش سے کتنے سلام آئے ہیں
حسین خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

بدن کبھی سپرد نہ ہونگے ابھی دلیروں کے　　پڑے ہیں سامنے لاشے جوان شیروں کے
حسین خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

ابھی تو ننھی سی تربت بنا کے بیٹھے ہیں　　ابھی رباب کی دولت لٹا کے بیٹھے ہیں
حسین خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

کچھ اپنی بالی سکینہ کی ہے خبر کہ نہیں　　خدا کی یاد میں خیمہ پہ ہے نظر کہ نہیں
حسین خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

کہاں ہیں ساتھ جو آیا تھا کارواں چن کے　　تڑپ کے خواب اجل سے کوئی جواں چونکے
حسین خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

جبیب لے گئے خیمہ میں کیوں نہ سمجھا کے
زہیر کیوں نہیں گرتے قدم پہ آقا کے
حسین خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

کدھر ہیں مسلم مظلوم کے نشاں رن میں
مہک رہے ہیں گل جعفری کہاں رن میں
حسین خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

خبر نہیں کہ چچا پر یہ ظلم ہوتا ہے
حسنؑ کا لال کہاں قتلگہ میں سوتا ہے
حسین خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

کوئی صدا پے تسکین تشنہ کام آئے
فرات سے کوئی عباس کا پیام آئے
حسین خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

کہاں حضور کو فرصت جو کچھ ٹھہر جائیں
یہ وقت عصر ہے کہ اب سلام کر جائیں
حسین خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

نجف سے حیدر کرار آنے والے ہیں
سنا ہے احمد مختار آنے والے ہیں
حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

عازمِ نجف

مقتول کی، مظلوم کی آغوش کے پالے ... اتے ہو کہاں دوش پہ زلفوں کو سنبھالے
نازک ہیں بہت پاؤں میں پڑ جائینگے چھالے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے

لوٹا ہے مسلمانوں نے دادا سے کہو گے ... صۂ غم سید والا سے کہو گے
اسلام کہیں شرم سے گردن نہ جھکا لے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے

تم جادۂ تسلیم کے ہو رہبرِ راہی   کیا بن گئی دل پر خلفِ شیرِ الٰہی
نکلے ہو بڑے غیظ میں بل ماتھے پہ ڈالے
قربان میں اے راہ نجف پوچھنے والے

غصّہ میں نہ آنا کہیں للّٰہ خوزادے   معلوم نہیں تم کو لعینوں کے ارادے
اللہ تمہیں تیغ سے قاتل کی بچالے
قربان میں اے راہ نجف پوچھنے والے

تم جان شجاعت ہو یہ کہنا نہیں بیجا   جرّار ہو رکھ دو گے سنانوں پہ کلیجا
کیا چیز ہیں نظروں میں چمکتے ہوئے بھالے
قربان میں اے راہ نجف پوچھنے والے

گھبرا کے اس آفت سے کہیں ڈر نہ جانا   اولادِ پیمبرؐ کا مخالف ہے زمانا
رستوں کو ہیں روکے ہوئے کوفے کے رسالے
قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے

کس طرح مدینہ کا چمن یاد نہ آئے کیوں شامِ غریباں میں وطن یاد نہ آئے
پردیس میں آتے ہی پڑے جان کے لالے
قرباں میں اے راہ نجف پوچھنے والے

یہ عالمِ اسلام میں کیا آگ لگی ہے خیموں میں قیامت ہے بپا آگ لگی ہے
ماں ڈھونڈھتی آئے گی کلیجے کو سنبھالے
قرباں میں اے راہ نجف پوچھنے والے

چھایا ہوا ہے خواب اجل کھوئے ہوئے ہیں جو چاہنے والے تھے وہ سب سوئے ہوئے ہیں
ہے کون جو آکر تمہیں گودی میں اُٹھالے
قرباں میں اے راہ نجف پوچھنے والے

مقتل میں ذرا گورِ غریباں تو بنادو لاشے تو شہیدوں کے نہ خاک چھپادو
کُشتے یہ غریبوں کے کیے کس کے حوالے
قرباں میں اے راہ نجف پوچھنے والے

گزری ہے جو غربت میں وہ دُنیا کو سُنا دو   کوفہ تو چلو، شام کی بنیاد ہلا دو

قاتل نہ زمانے سے کوئی ظلم چھپا لے

قربان میں اے راہِ نجف پوچھنے والے

تاریخ میں رہ جائے گی یہ چاند سی صورت   اِس عہد سے چمکو گے یونہیں تا بہ قیامت

باطل کے اندھیرے میں حقیقت کے اُجالے

قربان میں اے راہ نجف پوچھنے والے

حسینیت

سب کچھ لُٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

گھر بھر نے اپنی جان کی بازی لگائی ہے
یہ قومیت کا درد یہ مشکلکشائی ہے
سب کچھ لُٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

چھینٹے دیے ہیں خیمۂ جن کے اور اپنے خون کے   جب کربلا میں آنچ صداقت پہ آئی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

عاشور کا وہ دن وہ ضعیفی کا معجزہ   کیسے جوان شیر کی میت اُٹھائی ہے

سب کچھ لُٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

میدان میں حسینؑ کی آنکھوں کے سامنے   اصغر کی پیاس تیر ستم نے بجھائی ہے

سب کچھ لُٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

کیا گلوئے خشک سے دریا اُبل پڑا   کیسی لہو میں چاند سی صورت نہائی ہے

سب کچھ لُٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

اُس دستِ حق پرست پہ دو نوجہاں نثار   بچے کی اپنے ہاتھ سے تربت بنائی ہے
سب کچھ لُٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

بچوں کی تشنگی کو ئی سقّؑ سے پوچھتا   دریا پہ جس نے خون کی ندی بہائی ہے
سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی

برچھی اُٹھی تھی جو دل اسلام کے لیے   بانو کے لاڈلے نے کلیجے پہ کھائی ہے
سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

ہر یادگار سیدۂ کائنات نے   مردانہ وار گود کی دولت لٹائی ہے
سب کچھ لُٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

بھیجا ہے قتلگاہ میں گیسو سنوار کر
چہروں کی تابشوں سے زمیں جگمگائی ہے
سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

آئے ہیں جان دینے کو دُولھا بنے ہوئے
اِک اِک حسیں نے موت سے شادی رچائی ہے
سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

ہر لاش پر گرے ہیں محبت کے اشکِ غم
بالیں پہ ہر جری کے وفا مسکرائی ہے
سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

سر رکھ دیا ہے جب تہ خنجر حسین نے
کانپا ہے آسمان زمیں تھرتھرائی ہے
سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

چہرے اُتر گئے ہیں غریبوں کے وقت عصر خیمہ کی خامشی میں اک آواز آئی ہے

سب کچھ لُٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

ڈنکے بجا دیے ہیں صداقت کے خلق میں شبیر کا ہے نام خدا کی خدائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

آبادیوں کے عالم حیوانیت سے دور انسانیت کے نام کی بستی بسائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

یہ حریت کا نور مساوات کی جھلک سب کربلا کے چاند کی جلوہ نمائی ہے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے

اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

ٹھکرا دیا ہو آپ ہی اِس کربلا نے
کچھ بات یہ نہیں ہے کہ دُنیا پرائی ہو
سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہو
اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہو
نجمی حسینیت کی طرف جھک رہے ہیں دل
مصروف غور و فکر میں ساری خدائی ہو
سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہو
اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہو

تیرہ سو برس بعد

اے صاحبِ دل واقفِ اسرارِ زمانہ
اے حکمت و تدبیر و سیاست میں یگانہ
تاریخ کا سب ہے تری نظروں میں خزانہ
سُن ہم سے یہ اعجازِ حُسینی کا فسانہ

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیر وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

وہ درد ہے دل جس کو بُھلا ہی نہیں سکتا
وقت اس کی حدوں کو کہیں پا ہی نہیں سکتا
ہاتھ اس کو زمانے کا مٹا ہی نہیں سکتا
پانی کبھی یہ آگ بُجھا ہی نہیں سکتا

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیر وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

اے دوست زمانے کی ہر اک چیز ہے فانی
تا حشر رہے گی مگر اس غم کی جوانی
سو رنگ سے آفاق میں ہے مرثیہ خوانی
ہر درد میں اس درد کی ہے یاد دہانی

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

یہ غمِ دلِ انساں میں ہے فطرت کی امانت
اس غم نے سکھائی ہے صداقت کی حمایت
اِس غم کے سہارے سے اُبھرتی ہے شجاعت
بیکس کی یہ تلوار ہے مظلوم کی طاقت

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

کچھ خون ہے پھیلے تو دو عالم کو ڈبو دے
کچھ خاک ہے انفاس کی لہروں کو جو دھو دے
جذباتِ محبت کو شجاعت میں سمو دے
انسان نظر ڈال کے بو سونگھ کے رو دے

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیر وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

پوشیدہ ہیں اِس خاک میں قدرت کے خزانے
اعجاز دکھائے ہیں بہت خاکِ شفا نے
سُننے سے یقیں جس کو نہ ہو دیکھ کے مانے
عشرہ کو لہو دیتے ہیں تسبیح کے دانے

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیر وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

صدیوں سے ہے دنیا میں یہ نہیں معرکہ آرا
کوئی تو حقیقت ہے جو ہے دل کو گوارا
رُکتا نہیں اِس درد کے طوفان کا دھارا
قدرت کا ہے خود اِس کی اشاعت میں سہارا

سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیر وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

مرتا ہے جو فرزند کسی کا کوئی خوش خو
یاد آتا ہے ماں باپ کو ہر چند وہ گلرو
دو چار برس بعد نکلتے نہیں آنسو
شبیر کا غم ہے کہ بدلتا نہیں پہلو
سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیر وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

یہ مجلسِ غم ظلم مٹانے کیلیے ہے
دُنیا کو رہِ راست دکھانے کیلیے ہے
انسان کو انسان بنانے کیلیے ہے
محدود نہیں سارے زمانے کیلیے ہے
سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیر وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

لو ہے مجسم محبت کے خزانوں کی مثالیں
ایثار و صداقت کے نشانوں کی مثالیں
حق بات پہ لُٹتی ہوئی جانوں کی مثالیں
بچّوں کی، ضعیفوں کی، جوانوں کی مثالیں
سب غم ہیں دو روزہ غم شبیر وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

وہ دشت بلا، وہ ستم تشنہ دہانی
وہ خشک گلے اور وہ تلوار کا پانی
مٹتی ہوئی ایک ایک پیمبر کی نشانی
دیکھیں تو بھلا دے کوئی اکبر کی جوانی
سب غم ہیں دو روزہ غم شبیر وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

جنگل میں بہا خون بہتّر کے گلے کا
ساحل پہ علمدار دلاور کے گلے کا
سجدے میں لہو سبط پیمبرؐ کے گلے کا
تیر آج بھی دلدوز ہے اصغر کے گلے کا
سب غم ہیں دو روزہ غم شبیر وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

پیاسے تھے مگر آئے تھے گھوڑوں کو ڈپٹ کر
بچے بھی لڑے رن میں جوانوں سے نہ گھٹ کر
آئی جو اجل سر پہ تو دیکھا نہ پلٹ کر
جاتے ہیں یہ منظر کہیں تاریخ سے ہٹ کر
سب غم ہیں دو روزہ غم شبیر وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

سب چھوڑ گئے وقت پہ عیسیٰ کو حواری
شبیر کے انصار نے کی جان نہ پیاری
تنہائی پہ آقا کی یہ عالم ہوا طاری
سنتے ہیں کہ تھرّائے تھے لاشے کئی باری
سب غم ہیں دو روزہ غم شبیر وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

پانی پہ نظر پڑتے ہی یاد آتے ہیں پیاسے
بچوّں کی وہ تکلیف جوانوں کے دلاسے
بیگانہ کوئی لاکھ ہو مجلس کی فضا سے
دل آپ دہل جاتے ہیں ماتم کی صدا سے
سب غم ہیں دو روزہ غم شبیر وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

دُنیا جو روادار نہیں جی نہ کڑھاؤ
آنکھیں ہیں یہاں فرش کہیں دور نہ جاؤ
اے ہند کے مزدور سپوتو! اِدھر آؤ
مظلوم ہو، مظلوم سے دل اپنا لگاؤ
سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیر وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

یاں قوم کا جھگڑا ہے، نہ مذہب کی لڑائی
مولا کے عزادار سب آپس میں ہیں بھائی
کل جس نے غریبوں کیلیے جان گنوائی
منظور اُسے آج بھی ہے عقدہ کشائی
سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیر وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

یاں نام کی ہے شرط نہ قصہ ہے نسب کا
تنہا وہ عجم کا ہے، نہ تنہا وہ عرب کا
ہندو ہو کہ مسلم ہو وہ غمخوار ہے سب کا
ہوتا ہے اُسے درد غریبوں کے تعب کا
سب غم ہیں دو روزہ غم شبیر وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

رُت ہند کی بدلے گی محرم کی بدولت
بگڑی یہ بہار آئے گی ماتم کی بدولت
مل بیٹھیں گے پھر سیّد عالم کی بدولت
احساسِ حیات آئے گا اس غم کی بدولت
سب غم ہیں دو روزہ غم شبیر وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

رخصتی سلام

اکیہ قائم ہیں ترے احساں غم سے مشرقین
اے حُسینؑ کربلا! اے سارے عالم کے حسینؑ
جان تو نے راہِ حق میں ہاشمی جاں باز دی
تو نے ہی اسلام کی آواز پر آواز دی
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

ساری دُنیا دیکھتی تھی جب تماشا دین کا
کفر کے ہاتھوں سے چھینا تو نے لاشا دین کا
دیکھ کر افسردگی توحید کے پیغام میں
تو نے اپنی رُوح بھر دی پیکرِ اسلام میں
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

کیسے کیسے غنچہ لب نازوں کے پالے لے گیا
تو مدینے سے بہتّر مرنے والے لے گیا
موت کو اک اک حسیں کی زندگانی سونپ دی
قاسمؑ و عبّاسؑ و اکبرؑ کی جوانی سونپ دی
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

خندہ لب گزرا غم و آلام کے انبوہ سے
جنگلوں سے، وادیوں سے، دشت و در سے، کوہ سے
خون کے پیاسوں کو آبِ سرد پلواتا ہوا
رحمۃٌ للعالمیں کا نام پہونچاتا ہوا

السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

جی نہ چھوڑا ظلم و بدعت کی کہانی سُن کے بھی
مُنہ نہ پھیرا تو نے مسلم کی سُنانی سُن کے بھی
زخم کھائے جس قدر سینہ پہ، دل بڑھتا رہا
زیرِ خنجر بھی محبّت کا رجز یہ پڑھتا رہا

السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

صلح کی نیت سے آیا تھا کہ عزم قہر سے
تو نے ثابت کر دیا خیمے اُٹھا کر نہر سے
پھول سب تیرے چمن کے دھوپ میں سنولا گئے
دم ترے دامن میں توڑا گود میں مُرجھا گئے
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

تیرے صبر و ضبط کی ہر آرزو بر آ گئی
بیکسی کا جی بھر آیا تشنگی شرما گئی
عشق کی بُنیاد رکھی نینوا کی خاک پر
ابرِ رحمت بن کے برسا کربلا کی خاک پر
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

اک اشارہ پر گرے یوں مرنے والے ٹوٹ کر
لے گیا پیکِ اجل ساری کمائی لوٹ کر

ظالموں نے زخمِ دل زخمِ جگر کیا کیا دیے
تو نہ تڑپا خلق کے سینوں میں دل تڑپا دیے

السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

یوں سرِ میداں نہ لایا ہر قریب و دور کو
ساتھیوں کے تو نے دل پرکھے شبِ عاشور کو

اِک نگاہِ خاص تیری کے التفاتِ عام کی
زندگی تھی موت کی تلوار کی اسلام کی

السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

مصلحِ اعظم ترا احساں ہے کُل اقوام پر
تو نے اپنا سر دیا انسانیت کے نام پر
آج ہے اقطاعِ عالم پر جہاں بانی تری
اب پرستش کر رہی ہے نوعِ انسانی تری
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

خون کی دھاروں سے ایوانِ حکومت ڈھا دیے
حق کی قربانگاہ پر کتنے گلے کٹوا دیے
جُرم کہلانے کو سرمایہ پرستی رہ گئی
مٹ گئی قاتل کی ہستی تیری ہستی رہ گئی
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

تھم گئی سیلِ جفا طوفانِ بدعت رُک گئے
تیرے سر کے سامنے اشرار کے سر جھک گئے
بندگانِ ظلم کو حکمِ زباں بندی دیا
نوکِ نیزہ سے بھی فرمانِ خداوندی دیا
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

اے سوارِ دوشِ احمدؐ! نینوا کا قصد ہے
پھر اُسی ہنگامۂ کرب و بلا کا قصد ہے
ہجر میں تیرے زیارت کی ہے خواب گاہِ نازنے
خاک سے اُٹھ کر پکارا ہے کسی جانبازنے
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

بجھ گئے دل امتیاز مرگ و ہستی لے چلا
جانے والے تو ہمارے گھر کی بستی لے چلا
کیا خفا کچھ ہو گئے بندوں سے آقا کیوں گئے
ننھے بچے روز پوچھینگے کہ مولا کیوں گئے

السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

تعزیے جب گھر سے باہر لے چلے ہم نوحہ گر
سب کنیزیں سیدہؑ کی رہ گئیں مُنہ دیکھ کر
جس کی دولت لُٹ رہی ہو اُسکو کیونکر کل پڑے
رات بھر روئی ہوئی آنکھوں سے آنسو ڈھل پڑے

السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

جی بھر آتا تھا عشرہ کی سحر کے نام سے
بال کھولے ہیں بلائیں لینے والی شام سے
آئے ہیں گھر بھر کو با حال پریشاں چھوڑ کر
تیرے اُجڑے تعزیہ خانوں میں گریاں چھوڑ کر
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

صبح سے ہے اک اُداسی کا زوال آیا ہوا
ایک سنّاٹا فضائے درد پر چھایا ہوا
دیدۂ خوں بار جیسے آبلے بیٹھے ہوئے
خشک لب، جلتے ہوئے آنسو، گلے بیٹھے ہوئے
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

بے زبانوں کو بھی احساسِ الم گھیرے ہوئے
گود کے بچّے بھی خواب و خور سے منہ پھیرے ہوئے
ناسمجھ آنکھوں سے بھی آنسو رواں تیرے لیے
اَدھ کٹے لفظوں میں بچّے نوحہ خواں تیرے لیے
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

کھیل کی جانب دماغ و دل پلٹتے ہی نہیں
ہاتھ ماتم چھوڑ کر سینوں سے ہٹتے ہی نہیں
غم نما آثار اِدھر اُترے ہوئے چہروں کے ہیں
پھول اُدھر مسند پہ مُرجھائے ہوئے سہروں کے ہیں
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

دل کے تڑپانے کو خوشبو عود کی پھیلی ہوئی
شہ نشیں پر ملگجی سی چاندنی پھیلی ہوئی
تہ بہ تہ پلکوں میں اشکِ چشمِ نم لپٹے ہوئے
تخت کے گوشہ پہ چادر میں علم لپٹے ہوئے

السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

چرخ کے روشن ستارے متصل بجھتے ہوئے
ادھ جلی شمعوں کی خاموشی سے دل بجھتے ہوئے
گوشۂ مشرق میں دھندلی روشنی سہمی ہوئی
موت کی غمگیں فضا میں زندگی سہمی ہوئی

السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

کیا پسند آئی ہے اے خلوت نشینِ کربلا
جس نے پیاسا تجھ کو مارا وہ زمینِ کربلا
وہ زمیں جو آسمانِ ظلم بن کر چھا گئی
جس پہ وقتِ عصر سجدے میں تجھے نیند آگئی
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

وہ زمیں اکبر سا جس پر لعلِ تر مارا گیا
جس پہ تیرا قافلے کا قافلہ مارا گیا
کلّیاں کیں خون کی تشنہ دہن بشیر نے
دودھ اصغر کا بڑھایا جس زمیں پر تیر نے
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

جس زمیں نے تین دن طوفاں اُٹھائے پیاس کے
خون برسا نہر پہ شانے کٹے عباسؑ کے
جس نے مسلم کے یتیموں کی جوانی لوٹ لی
دولتِ ہمشیر، بھائیؑ کی نشانی لوٹ لی
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

جس زمیں پر آبِ خنجر تا گلو بہتا رہا
شام کو خیمے جلے دن بھر لہو بہتا رہا
جس پہ سر کاٹے گئے ایمان کی تعزیر میں
جس پہ آلِ مصطفےٰ جکڑی گئیؑ زنجیر میں
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

بے حسوں میں زندگی پھیلانے والے مرحبا
ہند میں تربت سے اُٹھ کر آنے والے مرحبا
ہو مُبارک تحفۂ اشکِ عزا لینا تجھے
ہے ابھی ملّت کے دل کا جائزہ لینا تجھے

السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

مانتی لاکھوں ہیں نفسِ بے ریا کس کس میں ہے
دیکھنا ہے تیرے اُسوہ کی ادا کس کس میں ہے
کس قدر قومی جلالت کا علم اونچا ہوا
پوچھتا جا میری محنت کا نتیجہ کیا ہوا

السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

الوداع اے خون میں رنگیں ستارے الوداع
الوداع اے بے سہاروں کے سہارے الوداع
منتظر ہے تیرے قدموں کی جبینِ کربلا
آرہا ہے تیرا کشتہ اے زمینِ کربلا!
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

اے مسافر تجھ پہ تیرے میزبانوں کا سلام
ہند کے بوڑھوں کا، بچوں کا، جوانوں کا سلام
دردِ قومی جن کو ہے اُن خستہ حالوں کا سلام
ملک اور ملّت کی خاطر مرنے والوں کا سلام
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

پیاس کے مارے ہوئے دریا کا، نہروں کا سلام
تا ابد گنگ و جمن کی پاک لہروں کا سلام
جانے والے صف بصف کھیتوں کا، باغوں کا سلام
اے مسافر ماتمی سینوں کے، داغوں کا سلام
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

تجھ پہ اے مظلوم! بھارت کے سپوتوں کا سلام
ہند کے نادار مزدوروں اچھوتوں کا سلام
زندگی کی دوڑ میں ہم شستہ گاموں کا سلام
تاجدار حریت تجھ پر غلاموں کا سلام
السّلام اے جادۂ ایماں کے سالک السّلام
السّلام اسلام کی ہستی کے مالک السّلام

ست کی سیوا

جب جھوٹ کی ندّی بڑھ چڑھ کر لہراتی ہی اِٹھلاتی ہے
یہ چلتی پھرتی مایا جب کایا کا لہو پی جاتی ہے
اک وقت نظر میں پھرتا ہے، اک بات مجھے یاد آتی ہے
سُکھ کھونا یاد آتا ہے، دُکھ پانا یاد آتا ہے
شبیرؑ کا ست کی سیوا میں مر جانا یاد آتا ہے

جب تن کی مورت ہنستی ہے اور من کی دیوی روتی ہے
یہ دنیا نرم بچھونے پر جب آنکھیں کھولے سوتی ہے
ست دھرم پہ مرنے والوں کی اس جگ میں کمی جب ہوتی ہے
میداں میں ننھے بچے کا لے آنا یاد آتا ہے
شبیرؑ کا ست کی سیوا میں مر جانا یاد آتا ہے

جب پل پل گرمی بڑھتی ہے اور دھوپ تڑپ دکھلاتی ہے
دنیا میں کوئی پھلواری جب بن نیر کہیں مرجھاتی ہے
کچھ سوکھے ہونٹوں کی ہر پیاس میں یاد آجاتی ہے
اصغر کے گلابی مکھڑے کا کمھلانا یاد آتا ہے
شبیر کا ست کی سیوا میں مر جانا یاد آتا ہے

جب سچّوں کو ٹھکراتے ہیں، اور جھوٹوں کو اپناتے ہیں
جب اچّھے اچّھے دَھرم پُجاری پاپ کی ٹھوکر کھاتے ہیں
جب مایا جال بچھاتی ہے، دل پھندے میں پھنس جاتے ہیں
سنسار کی جھُوٹی مایا کو ٹھکرانا یاد آتا ہے
شبیرؑ کا سَت کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب تَن کی رکھشا کرنے والے من کا اَنس مٹاتے ہیں
ڈر ڈر کے جب لوگ نِنکر گھر کی لاج گنواتے ہیں
جب دُکھ کے بندے سُکھ کے کارن یگ یگ سیس نواتے ہیں
دُکھ درد کے اونچے پَربت سے ٹکرانا یاد آتا ہے
شبیرؑ کا سَت کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب ہر دا دھک دھک کرتا ہے گھمسان میں رنگی پانی سے
جب تیور بجھ بجھ جاتے ہیں دو چرکوں میں آسانی سے
جب کائر جان بچاتے ہیں تلوار کے گھبرا پانی سے
اُن خون میں ڈوبی زلفوں کا بل کھانا یاد آتا ہے
شبیرؑ کا ست کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

اِس جگمگ جگمگ دُنیا میں جب ہٹ پر بالک آتے ہیں
جب آنکھیں نیر بہاتی ہیں دل پانی ہو ہو جاتے ہیں
جب جھوٹی سچی آشا دے کر مات پتا سمجھاتے ہیں
دو رُوز کے پیاسے بچوں کا بہلانا یاد آتا ہے
شبیرؑ کا ست کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب آنکھ سے آنسو ڈھل کر تجھ بن من کا گرد ادھوتے ہیں
جب گھر گھر ماتم ہوتا ہے جب رونے والے روتے ہیں
عشرہ کو ہوا کی لہروں میں جب سبز پھریرے ہوتے ہیں
کربل میں حسینی جھنڈے کا لہرانا یاد آتا ہے
شبیرؑ کا ست کی سیوا میں مر جانا یاد آتا ہے

سواری

رخصت ہے قتیلِ ستم و غم کی سواری
ہے رُو بہ سفر صبرِ مجسم کی سواری
اے قوم چلی مصلحِ اعظم کی سواری
جاتی ہے شہنشاہِ دو عالم کی سواری
ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینے سے ادب سے

اِس شان کا مرنا کہیں دیکھو گے نہ جینا
ڈوبا ہوا اِک خون کے دریا میں سفینا
اسلام کا مفہوم ہے اِس گھر کا قرینا
اس در پہ مہر و مہر کو آتا ہے پسینا
ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینے سے ادب سے

مظلوم کے آثار جلالت ہیں ہوا میں
ہر سانس ہے ڈوبی ہوئی احساس بکا میں
فطرت ہمہ تن درد ہے یادِ شہدا میں
کیا جانیے کیا رنگ ہے اس وقت فضا میں
ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینے سے ادب سے

تا حدِ نظر بھیڑ ہے آشفتہ سروں کی
یا چاک گریبانوں کی، یا نوحہ گروں کی
آمد ہے سرِ عرش سے پیغامبروں کی
آواز سی آتی ہے فرشتوں کے پروں کی

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینے سے ادب سے

اغلب ہے جلو میں ہوں سب اعوان سب انصار
سر اپنے کٹائے ہوئے حاضر ہوں رضا کار
اکبر ہوں اسی شان سے تولے ہوئے تلوار
پرچم ابھی کھولے ہوئے ہو روحِ علمدار

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینے سے ادب سے

کچھ دُور نہیں جانِ دو عالم ہو جلَو میں
غیبت کے حجابات کا محرم ہو جلَو میں
وارثِ غمِ سرورؑ کا بصد غم ہو جلَو میں
خود حُجّتِ حقؑ صاحبِ ماتم ہو جلَو میں

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینے سے ادب سے

ہمراہ ہوں تھامے ہوئے دل شافعِ محشر
ہوں خاک بسر، تیغ بکف حیدرِ صفدر
کہتے ہوئے آتے ہوں حسنؑ ہائے برادر
محمل میں ہو کھولے ہوئے سر جانِ پیمبرؐ

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینے سے ادب سے

طے کرکے وہ آیا ہے غمِ درد کا جادا
رستہ میں اُٹھائے ہیں ستم حد سے زیادا
راحت میں مجاہد کی خلل آئے مبادا
تابوت میں سوتا ہے دو عالم کا خوزادا
ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینے سے ادب سے

سینہ شہادت کا لگائے ہوئے محضر
وہ خاتمہ کی مہر میں داغ علی اصغر
کس شان سے زخموں کی وہ اوڑھے ہوئے چادر
عاشور سے ہے خواب میں سوتوں کو جگا کر
ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینے سے ادب سے

تابوت پہ ہے سایہ کناں دامنِ رحمت
لہراتا ہے بالیں پہ علمِ نورِ صداقت
فرمانِ ادب دیتا ہے آئینِ شجاعت
مظلوم کو روتی ہوئی آتی ہے محبّت

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینے سے ادب سے

آنکھوں میں بھرے اشکِ غریب الوطنی ہے
سر اپنا جھکائے ہوئے تشنہ دہنی ہے
ماتم کا یہ عالم ہے کہ جانوں پہ بنی ہے
اور کیفِ شہادت میں وہ جرأت کا دھنی ہے

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینے سے ادب سے

مِلّت کا دولارا ہے سواری ہے یہ جس کی
اسلام کا پیارا ہے سواری ہے یہ جس کی
مطلوب ہمارا ہے سواری ہے یہ جس کی
پیاسا لِسے مارا ہے سواری ہے یہ جس کی
ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینے سے ادب سے

اسلام پہ دُنیا میں بُرا وقت جو آیا
ہاتھوں پہ تڑپتا ہوا دل رکھ کے دکھایا
چھ ماہ کے بچہ کو بھی میدان میں لایا
نانا کی ریاضت کو نواسے نے بچایا
ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینے سے ادب سے

غمخوار ہے سب کا کوئی مانے کہ نہ مانے
کربل میں لُٹا کر جگر و دل کے خزانے
اب ہند میں آیا ہے وہ پیغام سُنانے
نوحے کی زباں میں ہیں محبّت کے ترانے

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینے سے ادب سے

یہ درد کا عالم ہے کہ دل رہ نہیں سکتے
آنسو بھی بہ اندازۂ غم بہ نہیں سکتے
مہماں کی جُدائی کا الم سہ نہیں سکتے
رونق لیے جاتا ہے یہ کچھ کہہ نہیں سکتے

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینے سے ادب سے

چُپ ہیں بادبِ ارض و سما کوئی کہے کیا
وہ رُعب ہے جبریلِ علا کوئی کہے کیا
جاتا ہے وہ پابندِ وفا کوئی کہے کیا
یاد آگئی پھر کرب و بلا کوئی کہے کیا
ہشیار ذرا وِلولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینے سے ادب سے

خاموش رہے خندۂ بیجا سے یہ کہدو
آنسو نہ تھمیں دیدۂ بینا سے یہ کہدو
مظلوم ہے مشتاق تماشا سے یہ کہدو
مُحسن ہے ہر انسان کا دُنیا سے یہ کہدو
ہشیار ذرا وِلولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینے سے ادب سے

خون اپنے کلیجہ کا بہایا ہے اِسی نے
مقتل کو محبت کے سجایا ہے اِسی نے
سرمایہ پرستی کو مٹایا ہے اِسی نے
انسان کی عزّت کو بچایا ہے اِسی نے

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینے سے ادب سے

ہر صاحبِ دل بندۂ بے دام ہے اس کا
مظلوم کا حامی کرمِ عام ہے اس کا
تیرہ سو برس سے یہی پیغام ہے اس کا
سُن لو کہ حسین ابن علی نام ہے اس کا

ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینے سے ادب سے

آئینِ ادب مسلکِ دربار نہ بھولو
کس کے ہو محب کس کے عزادار نہ بھولو
کیا جوشِ تولّا کا ہے معیار نہ بھولو
یہ مشورۂ شاعرِ سرکار نہ بھولو
ہشیار ذرا ولولۂ دستِ طلب سے
آقا کی سواری ہے قرینے سے ادب سے

شاعر اہلبیتؑ کی تصانیف

شاعر اہلبیت کی ہر تصنیف ہمارے یہاں سے خریدیے ، اگر آپ ہمارے کسی ایجنٹ سے کوئی کتاب خریدیں تب بھی ہم کو ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر اپنے پتہ سے ضرور مطلع کر دیجئے تاکہ جب حضرت نجم آفندی مدظلہ کی کوئی نئی کتاب شایع ہو تو ہم آپ کو اطلاع دے سکیں۔

مصطفیٰ علی ہاشمی
ناظم مکتبۂ ناصری
گولہ گنج ، لکھنؤ